جلد01شمارہ17،2024

Article

Historical Sensibility in Tahira Iqbal's Novels *Neli Bar* and *Graan*

طاہرہ اقبال کے ناولوں نیلی بار اور گراں میں تاریخی شعور

Muhammad Taimoor Khan[1]**, Dr. Humaira Ishfaq** [2]

[1] Visiting Lecturer, Federal Urdu University Islamabad

[2] Associate Professor, Department of Urdu, International Islamic University, Islamabad

*Correspondence: Humaira.ishfaq@iiu.edu.pk

محمد تیمور خان[1]**،ڈاکٹر حمیرا اشفاق**[2]

[1] وزٹنگ اردو لیکچرار وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد،[2]ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی،اسلام آباد

Abstract: Tahira Iqbal is one of the most important writers of Urdu literature, who is a multi-faceted personality, and she is one of the most famous fictional writers and novelists of the present era. , social and political references are found that narrate moment by moment changing history and its impact on society. The post-Pakistan difficulties, migration events abroad in exchange for economic depression and the situation of the common citizen during different regimes have been mapped. In these novels, the effects of modernization and globalization on our society are also found. Thus, this research not only sheds light on the cultural and social movements embedded in Urdu literature, but also speaks to the historical, cultural and social consciousness of the writer Tahira Iqbal. There is evidence.

Keywords: Tahira Iqbal, Fictionist, Novelist, Garan, Neeli Bar, Partition of India, Historical Tragedies, History

.

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:02-04-2024
Accepted:13-06-2024
Online:27-06-2024

CC BY

Copyright: © 2023 by the authors. This is an access-open article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

طاہرہ اقبال کا شمار ادو ادب کی اہم ترین لکھاریوں میں ہوتا ہے طاہرہ اقبال ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ ان کا شمار مشہور افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں میں ہوتا ہے ان کے ناولوں میں ایسے سیاسی و سماجی حوالے ملتے ہیں جو لمحہ بہ لمحہ بدلتی تاریخ اور معاشرے پر اس کے اثرات کو بیان کرتے ہیں پاکستان کے بعد کی مشکلات معاشی بدحالی بیرون ملک ہجرت اور مختلف حکومتوں کے قیام کے دوران عامشہری کی صورتحال کا نقشہ خوبصورت انداز سے کھینچا ہے ان کے ناولوں میں معاشرے پر جدیدیت اور عالمگیریت کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں طاہرہ اقبال کا ناول " گراں "ایسا ہی ناول ہے جو اردو ناول نگاری میں اپنے موضوع اور اسلوب کی انفرادیت کی وجہ سے ایک منفرد مقام و مرتبے کا حامل ناول قرار پاتا ہے۔اس ناول میں اگرچہ انھوں نے تاریخ سے زیادہ اپنی توجہ تہذیب و ثقافتی اور سماجی اقدار کی پیش کش پر رکھی ہے تاہم تاریخی حوالے سے بھی یہ ناول مختلف تاریخی واقعات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔اس ناول کا آغاز قیام پاکستان کے قبل کے تاریخی واقعات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہوتا ہے۔ ناول کے پہلے باب میں ہی تقسیم ہند کے وقت ہونے والے سانحات کا تذکرہ ملتا ہے۔ تقسیم ہند کا واقعہ ایسا واقعہ تھا جس نے ایک طرف اس خطے میں بسنے والے مسلمانوں کو ایک الگ آزاد مملکت عطا کی تو دوسری طرف ہجرت کے وقت ہونے والی قتل وغارت نے بھی تاریخ کے چہرے پر کالک مل دی۔ طاہرہ اقبال ان تاریخی سانحات کا تذکرہ کرتے ہوئے سماج کے مختلف طبقوں میں ان سانحات کے خلاف ہونے والے رد عمل کو بھی سامنے لاتی ہیں۔ان سانحات کے بیان میں جہاں ان کے ہاں تقسیم کے وقت کے سانحات کی تکالیف کا بیان ملتا ہے وہاں ماضی کے اس ہندوستانی سماج کی عکاسی بھی ملتی ہے جس میں مسلمان اور ہندو اکٹھے رہتے تھے۔ یوں ایک ناسٹلجیائی کیفیت ان کے اس ناول میں نمایاں ہونے لگتی ہے۔ گاؤں کی عورتوں کی زبانی تقسیم کے وقت پیش آنے والے سانحات اور ماضی کی تاریخ کی عکاسی وہ ناول گراں میں یوں کرتی ہیں:

> ہائے باوا خزاں سنگھ کی ہٹی ! چھ ماہی ادھار پر سودا چلتا، شادی بیاہ پر گڑ پتاشوں کے تھال مفت بھیجتا۔ ہائے لوٹیاں پڑیں۔ ساگری لٹی، پنڈی سڑی، ہائے لوٹی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہائے بیچاری ہندوانیاں اور سکھنیاں گھٹے گھٹے مکانوں کے تھڑوں پر بیٹھی ساری دیہاڑی چرخہ کاتتیں۔ دونوں بانھیں سونے کے چوڑوں سے بھری ہوئیں، جی بھر کے لٹ پڑی۔ بانھیں کان بھی خالی ہوئے، بھرے گھر خالی ہوئے، ہائے بیٹھے بٹھائے، صدیوں کے جمے جمائے وسیب میں کیسا واہڑا و گیا(ہل چل گیا)۔ عمروں کے ساتھی ایک دوسرے کو کاٹنے وڈنے لگے۔ ہائے ہائے ظلمی۔۔۔ہائے ہائے لوٹی[1]

تاریخ کی عکاسی کے حوالے سے ناول گراں میں سب سے زیادہ توانا عکاسی تقسیم ہند کے سانحات کے وقت کی ہی ہوئی ہے۔ طاہرہ اقبال نے بڑی مہارت سے اس ناول میں تاریخ کو قبل از تقسیم کے ماضی قریب سے ملایا ہے اور ادب کے سانچے میں

ڈھال کر اس کی عکاسی کی ہے۔ اس عکاسی میں بھی ان کا زیادہ زور ان یادوں پر ہے جو تقسیم کے وقت ہونے والے سانحات سے گزرنے والے لوگوں کے دلوں میں باقی رہ گئی تھیں۔ ناول کے پہلے باب میں جگہ جگہ اس تاریخی واقعے کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ایک جگہ وہ تقسیم کے سانحات سے گزرنے والوں کی یادوں کو یوں ناول کا حصہ بناتی ہیں کہ تقسیم سے قبل مسلم ہندو مشترکہ سماج کی تاریخ سامنے آنے لگتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ہائے نی پتہ نہیں کب سجن دشمن ہو گئے۔ ادھر موہڑے، گورے، تھلے، بگے، کرپال، پرتھے ،ساگری، روات سکھوں کی کوئی دکانیں تھیں۔ چھنی عالم شیر میں خزان سنگھ کی ہٹی سب سے بڑی دکان تھی۔۔۔۔ ایسا بھگوان کبھی خالی ہاتھ واپس نہ آنے دیا۔[۲]

ناول گراں میں طاہرہ اقبال نے گراں (گاؤں) کی لوگوں کی زبانی تاریخ کے ان واقعات کی بھی عکاسی کی ہے جب اس خطے پر انگریز کا قبضہ تھا۔ انگریز اگرچہ یہاں غاصب کے روپ میں تھے جو یہاں کے وسائل کو اپنی جدی ریاست کی مضبوطی او راستحکام کے لیے استعمال کرتے تھے اور اس عمل کے دوران میں انھوں نے مقامی جاگیرداروں کے ساتھ مل کر نچلے طبقے کا استحصال بھی کیا، تاہم انگریزی عہد میں بہت سے ایسے اقدامات بھی تھے جن سے عوام میں ان کے بارے میں کسی قدر مثبت رویہ اور اچھی سوچ بھی پائی جاتی تھی۔ ایسے اقدامات میں امن وامان کی بہتر صورت حال بھی شامل تھی۔ طاہرہ اقبال گاؤں کی عورتوں کی زبانی اس صورت حال کے ساتھ ساتھ انگریزی عہد میں طبقہ اشرافیہ کی قدر و منزلت کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ وہ ناول گراں میں ایک جگہ لکھتی ہیں:

> "ہائے انگریز کا ویلا، زنانی سیروں سیر سونا مٹکا کر دس کوس چلی جائے نہ عزت کا خطرہ نہ مال کی فکر۔۔۔۔"
>
> "خاندانوں کی عزت تھی۔ کمی کمین چور اچکوں کو جرأت نہ تھی۔ فوج میں بڑی ذاتوں کے لوگ بھرتی ہوتے۔ انگریزی سرکار اپنے درباروں میں خاندانی لوگوں کو کرسی پیش کرتے۔ ۔۔۔۔ ہائے انگریز بڑی سیانی قوم، ہائے ایسی سست بھائیاں کسی چیز کی کمتی نہ ہوتی۔ زنانیاں سونے سے لدی رہتیں۔ انبار اناج سے خالی نہ ہوتے۔ مارشل ذاتوں کو عزت ملتی۔ سید، اعوان ،راجپوت، پٹھان، پانچویں کسی ذات کو تو وہ منہ نہ لگاتے۔[۳]

ناول گراں تاریخ کی عکاسی کرتے ہوئے تقسیم ہند کے سانحات کے بعد جس دور میں داخل ہوتا ہے وہ کشمیر پر ہندوستانی فوج کی یلغار کا عہد ہے جو تقسیم کے کچھ عرصے بعد ہی ہوئی۔ اس جنگ میں جن فوجیوں نے بہادری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت

نوش کیا، ناول گراں سماج میں ان کی قدر و منزلت اور ان کی بہادری سے آگاہی دلاتا ہے۔ طاہرہ اقبال ایک ایسے ہی شہید کی نمازِ جنازہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس تاریخی واقعے کو یوں سامنے لاتی ہیں:

> ہائے کیا جنازہ تھا شہید کا جنازہ......ڈغ ڈغ ڈغ فوجیوں کے بوٹ بندوقوں کی جھنکار، پھولوں کی چادریں، مہینوں مٹی کی ڈھیری دکھائی نہ دی اور خوشبو کے ہلارے سے پورا پوٹھوہار مہکتا رہا۔[۴]

ناول گراں میں اگرچہ باقاعدہ طور پر تاریخ کو موضوع نہیں بنایا گیا تاہم مختلف واقعات سے پاکستانی تاریخ کے وہ زاویے سامنے آتے ہیں جنھوں نے اس سماج کو متاثر کیا۔ ایسے ہی زاویوں میں سے ایک اہم زاویہ ستر کی دہائی میں ملک سے ترک سکونت کر کے باہر کے ممالک میں روزگار کے سلسلے میں جانے والوں کے حوالے سے بھی سامنے آتا ہے۔ بہتر مستقبل کی خاطر بیرون ملک جانے کے رواج ستر کی دہائی میں ہی سامنے آیا۔ ناول گراں جو پوٹھوہاری خطے کی تہذیب و ثقافت کو سامنے لاتا ہے پاکستانی تاریخ کے اس زاویے کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ طاہرہ اقبال ستر کی دہائی کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس ناول میں بیرون ملک جانے کے رجحان کی عکاسی کرتے ہوئے خطہ پوٹھوہار کی صورت حال کو یوں سامنے لاتی ہیں:

> یہ ستر کی دہائی تھی جب پوٹھوار میں سے ہر وہ مرد جو اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکا تھا، ہر وہ بچہ جس کی مسیں بھیگ رہی تھیں۔ وہ پاسپورٹ بنوا کر بیرون ملک کمائی کرنے چلا گیا تھا۔ بڑے بوڑھوں کا خیال تھا۔ پوٹھوار مردوں سے ایسے ہی خالی ہوا ہے جیسے کبھی لام کے زمانے میں اجڑ گیا تھا۔ عوتوں اور قریب المرگ بوڑھوں کے سوا چلتا پھرتا کوئی مرد نظر نہ آتا تھا۔[۵]

یوں یہ ناول پاکستانی تاریخ کی عکاسی کرتا اور ان تاریخی واقعات کے سماج پر اثرات کو سامنے لاتا ہوا جب اسی کی دہائی میں داخل ہوتا ہے تو اس دور میں تعلیم کی طرف لوگوں کے رجحان کو سامنے لاتا ہے۔ بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ پوٹھوار کے خطے میں بھی یہ تبدیلی آئی تھی کہ لڑکیاں اعلیٰ تعلیمی اداروں کی طرف بڑھ رہی تھیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھیں۔ طاہرہ اقبال ناول گراں میں اس تاریخی تبدیلی کو یوں بیان کرتی ہیں:

> زمانہ بدل رہا تھا۔ ان پڑھ ماؤں کی بیٹیاں کالجوں میں پڑھ رہی تھیں۔ کوئی وکیل تو کوئی فیشن ڈیزائنر بن رہی تھی۔ اسّی کی یہ دہائی پوٹھوار کے ان گراؤں میں ایسے داخل ہوئی تھی جیسے کبھی یہاں گھونٹ گھونٹ بہنے والا برسائی نالہ بارشوں کی رت میں دھانے کھول کر یوں ڈکرانے لگتا تھا کہ سامنے آنے والی ہر شے نگلتا چلا جاتا تھا۔[۶]

تاریخ کا دھار بہتا چلا جاتا ہے اور یہ ناول نوے کی دہائی میں داخل ہوتا ہے تو پاکستانی تاریخ میں جدید تعلیم، بیرون ملک کی کمائی، جدیدیت کے کرشموں اور مغرب کی نقالی کے زیر اثر انگریزی زبان ہر شعبے پر اثر انداز ہونے لگتی ہے۔ ملکی سطح کے اس منظر نامے سے پوٹھوار بھی متاثر ہوتا ہے۔ اس کی پوٹھواری بولی میں بھی انگریزی زبان کے الفاظ شامل ہونے لگتے ہیں۔ یوں سماجی سطح پر بھی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جو تاریخی اہمیت کی حامل قرار پاتی ہیں۔ طاہرہ اقبال نوے کی دہائی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> یہ نوے کی دہائی کی شروعات تھیں جب پوٹھواری زبان میں انگریزی لفظوں کی آمیزش ہونے لگی تھی۔ لڑکیاں لڑکے امپورٹڈ اشیا کی قیمتیں پونڈوں اور ڈالروں میں بتانے لگے تھے۔ اور یورپ کے خریداری مراکز کے نام بولنے لگے تھے۔[۷]

مجموعی طور پر طاہرہ اقبال کا ناول گراں تاریخ کو سماجی تناظر میں سامنے لاتا ہے۔ انھوں نے اس ناول میں پاکستان کی سیاسی تاریخ اور سیاسی اتار چڑھاؤ بیان کرنے کے بجائے پوٹھوار کے خطے کو بنیاد بناتے ہوئے ان تاریخی واقعات سے اس کہانی کو مزین کیا ہے جنھوں نے اس خطے کی تہذیب اور سماج کو متاثر کیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں تبدیلی آتی چلی گئی۔

پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت سے آشنائی ہوتی ہے کہ اپنے قیام کے ساتھ ہی یہ نوزائیدہ مملکت مختلف مسائل کا شکار رہی ہے۔ ان مسائل اور بحرانوں میں کچھ تو ایسے تھے جو اس خطے میں بسنے والی دیگر اقوام خاص کر ہندو ذہنیت اور یہاں پر قابض برطانوی سامراج کی وجہ سے پیش آئے، جب کہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کے پیدا ہونے اور پھر آگے ہی آگے بڑھتے چلے جانے میں ہمارا اپنا کردار بھی شامل ہے۔ یہ ایسے مسائل ہیں جو ہماری جذباتیت اور کسی حد تک نااہلی اور حالات سے طوطا چشمی کی وجہ سے پیش آئے۔ اس ضمن میں اعجاز فاروقی کی یہ رائے صائب نظر آتی ہے کہ:

> جب سے پاکستان قائم ہوا ہے تب سے ہم ایک بحران سے گزر کر دوسرے بحران میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ مگر ہم نے ان تاریخی واقعات کا تجزیہ کرنے کی شعوری کاوش نہیں کی۔ ہم جذبات کے دھارے پر بہتے رہے ہیں، اور سنجیدہ فکری سطح پر اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم پوری دنیا کو نعرے اور لیبل کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ ہم نے اس جذباتی دائرے سے نکلنے کی سعی نہیں کی، اس طرح فکری تحقیق، عقلی شعور اور تجربے کے دروازے اپنے اوپر بند کر رکھے ہیں۔[۸]

پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی سیاسی تاریخ کا وہ دور شروع ہوتا ہے جس نے آگے چل کر پاکستان کے سیاسی منظر نامے کو مکدر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ایک طرف ہجرت کے دوران میں پیدا ہونے والے مسائل اور سانحات نے اس نوزائیدہ مملکت

کے سماجی منظر نامے کو غیر تسلی بخش بنانے اور بے چینی کی فضا کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا تو دوسری طرف شروع ہی سے سامنے آنے والے سیاسی انتشار نے اہم کردار ادا کیا۔ سیاسی سطح پر سب سے بڑی خامی یہ سامنے آئی کہ ایک عرصے تک یہ مملکت کسی باقاعدہ آئین کے بغیر ہی چلتی رہی جس کی وجہ سے اس کی سمت واضح نہ ہو سکی۔ اس کے علاوہ حکومتی عہدوں پر براجمان نااہل افراد نے بھی مسائل پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر شاہد نواز پاکستان کے ابتدائی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> پاکستان کا آغاز فکری، سیاسی اور آئینی طور پر انتشار کا دور تھا۔ مدبران، حکومتی اعلیٰ عہدیدار وقت کی ضرورت اور اہمیت سے روگردانی کرتے رہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں معاملات کو لٹکانے اور مؤخر کرنے کا رجحان ہماری بنیاد کو کھوکھلا کر گیا۔ سماج کا ہر طبقہ خود کو ریاست کے حقوق اور تحفظ کا ٹھیکیدار سمجھنے لگا۔ اور وہ آزادی اظہار جس کا قائد نے نئی مملکت میں خواب دیکھا تھا، وہ غداری وطن ٹھہری۔ ان تمام مسائل کا حل پاکستان کے آئین میں پنہاں تھا مگر آئین کو بنانے اور لاگو کرنے میں جتنے تساہل کا مظاہرہ کیا گیا وہ اپنی جگہ پر بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔[۹]

پاکستان کے ابتدائی سالوں کے اس انتشاری ماحول نے ادب کو موضوعاتی حوالے سے خاصی وسعت دی۔ یوں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف اُس دور میں لکھنے والے ادیبوں کے فکر و نظر پر ہجرت کے سانحات کے ساتھ ساتھ پاکستان کے اس انتشاری دور کی عکاسی ملتی ہے تو دوسری طرف بعد میں لکھنے والوں نے بھی پاکستانی تاریخ کو ادب کے سانچے میں بیان کرتے ہوئے اس دور کو خاص اہمیت دی ہے۔ دیگر اصناف ادب کی طرح ناول میں بھی پاکستان کی عصری تاریخ کو بڑے ماہرانہ انداز میں ادب کے سانچے میں ڈھال کر بیان کیا گیا ہے۔ طاہرہ اقبال کا ناول نیلی بار ایسے ہی ناولوں میں شمار ہوتا ہے جو قیام پاکستان سے لے کر بیسویں صدی کے آخر تک کی سیاسی تاریخ کو بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے لاتا ہے۔ اس ناول میں سیاسی تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے ظفر اقبال لکھتے ہیں:

> نیلی بار شاید پہلا پاکستانی ناول ہے جس میں قیامِ پاکستان سے لے کر تقریباً ساٹھ برس کی تاریخ کو پس منظر میں رکھا گیا ہے۔ اس زمانی دورانیہ میں وقوع پذیر سیاسی حالات و واقعات پر دیہی افراد، طبقات کے ردِ عمل کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ یوں دیہاتیوں کا سادہ سا سیاسی شعور جو استحصالی پنجے میں جکڑا رہا، واضح ہو جاتا ہے۔[۱۰]

پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم کردار جنرل ایوب خان ہے۔ جنرل ایوب خان کا شمار ان حکمرانوں میں ہوتا ہے جنھوں نے جب تک حکومت کی عوامی سطح پر مقبولیت بھی حاصل کرتے رہے اور عوامی فلاح کے بے شمار کام بھی کیے، لیکن جب سیاسی اقتدار کا

سورج غروب ہونے کو آیا تو جتنی تیزی سے یہ عوامی مقبولیت مخالفت میں تبدیل ہوئی،اس کی مثال بھی کم ہی ملتی ہے۔ایوب خان نے جس عہد میں زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لی وہ ایسا دور تھا جب ایک طرف سیاسی سطح پر خاصی شکست وریخت دیکھنے میں آرہی تھی تو دوسری طرف سماجی سطح پر عوام محرومیوں کا شکار تھے۔ ہجرت کے سانحات کو برداشت کرتے کرتے عوام تھک چکے تھے۔ سیاست دانوں سے انھیں مایوسی ہونے لگی تھی جو اقتدار کے حصول کے لیے مختلف چالوں میں مصروف تھے لیکن عوامی فلاح کا کوئی ایجنڈا سامنے نہیں آرہا تھا۔ایسے حالات میں ایوب خان کا حکومت سنبھالنا عوام کے نزدیک ایسا مستحسن عمل تھا جس میں انھیں اپنے دکھوں کا مداوا نظر آنے لگا تھا۔طاہرہ اقبال کا ناول نیلی بار ہمیں اس پاکستانی سیاسی تاریخ کے اس عہد کے حالات کے ساتھ ساتھ عوام کے سیاسی شعور سے بھی آگاہی دلاتا ہے۔انھوں نے اس ناول میں ایوب خان کے دور کے حالات بیان کرتے ہوئے مارشل لا لگنے کے بعد عوامی جذبات کی بھی بھرپور عکاسی کی ہے۔جنرل ایوب نے حکومت سنبھالنے کے بعد زراعت کی طرف خصوصی توجہ دی ۔جو زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں ان میں جاگیرداروں کے لیے جاگیر کی ایک حد مقرر کرتے ہوئے،اضافی زمینیں ہاریوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ان اصلاحات نے غریب اور پسے ہوئے طبقے میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔جنرل ایوب نے اپنے دور حکومت میں جس کام سے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی وہ زرعی اصلاحات تھیں۔ایوب خان اس حقیقت سے آشنا تھے کہ پاکستان کی معیشت اور اس کے سماجی منظر نامے میں خوشحالی لانے کے لیے زراعت کے کردار کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔یہی وجہ ہے کہ ایک طرف انھوں نے زرعی زمینوں کی زرخیزی میں اضافہ کرنے اور آبی ضروریات کو پورا کرنے کی طرف خاص توجہ دی تو دوسری طرف بڑے زمینداروں سے ایک خاص حد سے زیادہ زمین واپس لے کر بے زمین کسانوں میں تقسیم کرنے کی پالیسی بھی لاگو کرنے کی ٹھانی۔ طاہرہ اقبال نیلی بار میں پاکستان کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایوب خان کے ان اقدامات کی بھی عکاسی کرتی ہیں۔ جب بے زمین کسانوں میں زمینیں تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا تو وہ کسانوں جو نسل در نسل زمینداروں کی غلامی میں پستے چلے آرہے تھے،انھیں اپنے روشن مستقبل کا وہ خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر آیا جو وہ سالوں سے دیکھ رہے تھے۔یہی وجہ ہے کہ وہ ایوب خان کو ایک مسیحا سمجھنے لگے۔اس دور میں ایک نعرہ عام ہوا تھا کہ جو "جو واہوے اوہ ای کھاوے" یعنی جو زمین کاشت کرتا ہے وہی اس سے پورا فائدہ اٹھانے کا حق دار ہے۔ طاہرہ اقبال ایوب خان کی ان اصلاحات اور سماج پر ان کے اثرات کو جائزہ لیتے ہوئے نیلی بار میں اس کی عکاسی یوں کرتی ہیں:

> یہ جو اونچی حویلی کی حفاظت میں حلق پھاڑ رہے ہیں نا اب یہی اس حویلی کے مالک ہونے والے ہیں۔ابھی بھی جنرل ایوب نے اعلان کیا ہے کہ زرعی اصلاحات ہوں گی۔۔۔۔۔۔۔۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مزارع جس کھیت کو کاشت کر رہا وہ اسی کھیت کا مالک بنا دیا جائے گا۔[۱۱]

ایوب خان کی ان اصلاحات کی وجہ سے سماج کے عام لوگ حد سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایوب خان کے دور تک پاکستان کا سیاسی اور سماجی منظر نامہ خاصا انتشار کا شکار نظر آتا ہے۔ہجرت کے اثرات کی وجہ سے سماجی تاریخ انتشار سے بھرپور دکھائی دیتی ہے۔اس کے علاوہ سیاسی چالبازیوں کی وجہ سے شروع ہی سے عوام کی فلاح کا کوئی بڑا منصوبہ سامنے نہیں آیا تھا۔ایسے حالات میں جب ایوب خان نے اصلاحات کا ڈول ڈالا تو عوام کو ایوب خان کے روپ میں ایک ایسا مسیحا نظر آنے لگا جو ان کے دکھوں کا مداوا کرنے والا حقیقی رہنما تھا۔عوام میں ایوب خان کے بارے میں جو رائے سامنے آ رہی تھی، طاہرہ اقبال نیلی بار میں اس کی عکاسی یوں کرتی ہیں:

> اوئے نالائقو جانگلیو! فوجی اندر کا بندہ ہے اور اب سرکار فوج کی ہے۔اس کے پاس سب خفیہ خبریں ہیں۔غور سے سنو! تمہارے دن پھرنے والے ہیں۔نیا بادشاہ غریبوں مزارعوں کا ہمدرد ہے۔[۱۲]

یہ فوجی اس ناول کا کردار فوجی نصیر ہے جو ہندوستان سے ہجرت کر کے آیا ہوتا ہے۔جاگیرداری نظام کا بہت بڑا مخالف ہے اور ایوب خان کی حکومت آتے ہی کسانوں کو جاگیرداروں کے خلاف اکساتا ہے۔ایوب خان کی اصطلاحات کے اعلان سے معاشرے میں پسے ہوئے طبقے نے زندگی کا ایک نیا زاویہ دیکھا اور ہر خبر کو سچ سمجھ کر زمینداروں کی بغاوت پر اٹھ کھڑا ہوا۔لیکن حقیقت کھلنے پر انھیں احساس ہوا کہ کچھ بھی نہیں بدلا۔حالات کے نہ بدلنے کی بڑی وجہ بھی وہی جاگیردار طبقہ تھا جو سال ہا سال او رنسل در نسل غریبوں پر مسلط تھا۔اس طبقے کے خلاف ایوب خان نے اعلان تو ضرور کیا اور کسی حد تک عملی کارروائی بھی کی لیکن وہ مکمل طور پر اس طبقے کو زیر کرنے میں ناکام رہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ طبقہ سماج سے لے کر حکومت تک ہر جگہ پر اپنا اثر ورسوخ رکھتا۔ایوب خان کی اصلاحات کے اعلان کے بعد بھی اس طبقے نے اپنی شاطر چالوں کے ذریعے ان اصلاحات کو مکمل طور پر کامیاب نہ ہونے دیا۔ڈاکٹر شاہد نواز، ایوب خان کے دور کی زرعی اصلاحات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اسی دور میں زرعی اصلاحات کا ڈول ڈالا گیا، جو کہ اپنے نفاذ میں ڈھیلا ہونے کے سبب مطلوبہ مقصد حاصل نہ کر سکا۔بڑے بڑے جاگیرداروں نے اپنی جاگیریں اپنی اولادوں، عزیزوں اور قابل بھروسہ ملازمین کے نام الاٹ کروا دیں، ریاستی مشینری کو اس کا پتہ ہونے کے باوجود کچھ نہ کیا جا سکا۔[۱۳]

یہی وجہ ہے کہ ایوب خان کی اصلاحات مطلوبہ مقاصد کے حصول میں ناکام رہیں۔یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ان اصلاحات کی ناکامی نے بھی پاکستانی سماج کو متاثر کیا۔وہ کسان اور غریب عوام جو نسل در نسل جاگیرداروں کی غلامی میں پستے چلے آ رہے تھے،

ایوب خان کی اصلاحات کے نعرے سے شہ پا کر جاگیر داروں کے سامنے سر اٹھانے لگے۔ لیکن جب یہ حقیقت سامنے آئی کہ کچھ بھی نہیں بدلا بلکہ صورت حال منٹو کے نیا قانون والی ہی ہے تو اس کے نتائج بھی وہ سامنے آئے جو منگو کوچوان کو در پیش آئے تھے۔ کسانوں کو ان کے حقوق کے نام پر جاگیر داروں کے خلاف اکسانے والے سماجی عناصر نے جب ایسے کسانوں کو بے یار و مدد گار چھوڑ دیا تو وہ جاگیر داروں کی نظروں میں بھی باغی ٹھہرے۔ اس بغاوت کی سزا بھی بھگتنی پڑی۔ فوجی نصیر کے کہنے پر اس کی باتوں میں آکر جب کسانوں نے جاگیر داروں کے خلاف بغاوت کی تو اسی جاگیر دار کے کہنے پر قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ان کسانوں کے ساتھ جو سلوک کیا، نیلی بار میں اس کی عکاسی ملاحظہ ہو:

> ابھی مجمع زمینوں کی تقسیم ہی طے کر رہا تھا کہ پولیس کی پوری گارڈ نے دھاوا بول دیا۔ نئے نئے زمیندار بننے کے نشئی اس ناگہانی حملے سے سنبھل ہی نہ پائے۔ پولیس کے ڈنڈے، بندوقوں کے بٹ، بھاری بوٹ اور تنومند چانٹے اور چھپڑ کوئی ایسا پلسی ہتھیار نہ تھا جو وہاں کار آمد نہ ہوا۔[۱۴]

یہ سب کچھ غریب کسانوں کے ساتھ مہاجر فوجی نصیر کے اکسانے پر ہوا۔ فوجی حکومت ہونے کی وجہ سے لوگ اس فوجی نصیر کی باتوں پر اندھا اعتماد کرتے تھے، لیکن جب حقیقت کھل کر سامنے آئی تو انھیں معلوم ہونے لگا کہ سب کچھ اک سراب ہے۔ ان کی بے بسی پہلے سے بھی بڑھ گئی۔ پہلے یہ غریب کسان جاگیر داروں کی صرف غلامی کرتے تھے اور غیر مشروط طور پر ان کے وفادار تھے لیکن اب اس صورت حال کے بعد انھیں جاگیر داروں کے سامنے اپنی صفائی بھی پیش کرنے کی ضرورت پیش آنے لگی اور اپنی وفاداری کا یقین بھی دلانا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ ناول نیلی بار میں ذیلدارنی کی ملازمہ اپنے غریب مردوں کی صفائی دیتے ہوئے کہتی ہے:

> ذیلدارنی جی سردارنی جی ہمارے بندوں کا کوئی قصور گناہ نہیں۔ وہ شوہدے تو ان پڑھ نا سمجھے بے عقلی یہ تو مہاجروں کا ڈالا ہوا رولا ہے مکانی جی! انھیں چھتر لگوائیں تاکہ آگے سے ہم بھولے غریبوں کو یہ نہ ورتیں۔ ساڈے کملے مرداں نوں ورتیا نے تے تہاڈے نال دشمنی سیڑھی نیں۔۔۔[۱۵]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طاہرہ اقبال نے نیلی بار میں نہ صرف تاریخ کے مختلف واقعات اور اتار چڑھاؤ کو بڑی کامیابی سے بیان کیا ہے بلکہ ان تاریخی واقعات کے سماج پر پڑنے والے اثرات کو بھی نمایاں کیا ہے۔ یہی ایک تخلیق کار کا بڑا وصف ہوتا ہے کہ وہ تاریخ کو ادب کے سانچے میں یوں ڈھالتا ہے کہ تاریخ اور سماج کا رشتہ بھی سامنے آنے لگتا ہے۔ طاہرہ اقبال اس رشتے کو سامنے لانے میں کامیاب رہی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ طاہرہ اقبال،گراں،اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۱۹ء،ص ۲۲۔

۲۔ طاہرہ اقبال،گراں،ص۳۹۔

۳۔ طاہرہ اقبال،گراں،ص۴۱۔

۴۔ طاہرہ اقبال،گراں،ص۲۷۔

۵۔ طاہرہ اقبال،گراں،ص۷۹۔

۶۔ طاہرہ اقبال،گراں،ص۸۵۔

۷۔ طاہرہ اقبال،گراں،ص۹۰۔

۸۔ اعجازفاروقی،پاکستان کافکری بحران،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۰ء،ص۹۔

۹۔ شاہد نواز ، پاکستانی اردو ناول میں عصری تاریخ،سرگودھا:جامعہ سرگودھا، ۲۰۱۸ء،ص۶۱۔

۱۰۔ ظفر اقبال، نیلی بار،طاہرہ اقبال کانیا ناول(کالم) مطبوعہ، روزنامہ دنیا، لاہور:۲۷ اپریل ۲۰۱۷ء۔

۱۱۔ طاہرہ اقبال،نیلی بار ،اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۱۷ء،ص ۲۷۔

۱۲۔ طاہرہ اقبال،نیلی بار،ص۷۷۔

۱۳۔ شاہدنواز،پاکستانی اردو ناول میں عصری تاریخ،ص۶۹۔

۱۴۔ طاہرہ اقبال،نیلی بار،ص۷۶۔

۱۵۔ طاہرہ اقبال،نیلی بار،ص۷۷۔